© rasailojaraid.com

ظالم ہوں[۵۲]۔ — اور اُن سے کہو کہ "ہم ایمان لاتے ہیں اُس چیز پر بھی جو ہماری طرف بھیجی گئی ہے اور اُس چیز پر بھی جو تمہاری طرف بھیجی گئی تھی، ہمارا خدا اور تمہارا خدا ایک ہی ہے اور ہم اُسی کے مُسلم (فرمانبردار) ہیں"[۵۳]۔ (اے نبی) ہم نے اسی طرح تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے[۵۴]، اس لیے

الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (النحل۔ رکوع ۱۶)

عمدہ پند و نصیحت کے ساتھ۔ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (حٰم السجدہ۔ رکوع ۵)

بھلائی اور برائی یکساں نہیں ہیں (مخالفین کے حملوں کی) مدافعت ایسے طریقے سے کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ وہی شخص جس کے اور تمہارے درمیان عداوت تھی وہ ایسا ہو گیا جیسے گرم جوش دوست ہے۔

ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ (المومنون۔ رکوع ۶)

تم بدی کو اچھے ہی طریقہ سے دفع کرو، ہمیں معلوم ہے جو باتیں وہ (تمہارے خلاف) بناتے ہیں۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ (الاعراف۔ رکوع ۲۴)

درگزر کی روش اختیار کرو، بھلائی کی تلقین کرو، اور جاہلوں کے منہ نہ لگو، اور اگر (ترکی بہ ترکی جواب دینے کے لیے) شیطان تمہیں اُکسائے تو اللہ کی پناہ مانگو۔

[۵۲] یعنی جو لوگ ظلم کا رویہ اختیار کریں ان کے ساتھ ان کے ظلم کی نوعیت کے لحاظ سے مختلف رویہ بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ہر حال میں اور ہر طرح کے لوگوں کے مقابلہ میں نرم و شیریں ہی نہ رہنا چاہیے کہ دنیا داعیِ حق کی شرافت کو کمزوری اور مسکنت سمجھ بیٹھے۔ اسلام اپنے پیروؤں کو شائستگی، شرافت اور معقولیت تو ضرور سکھاتا ہے مگر عاجزی و مسکینی نہیں سکھاتا کہ وہ ہر ظالم کے لیے نرم چارہ بن کر رہیں۔

[۵۳] ان فقروں میں اللہ تعالیٰ نے خود اُس عمدہ طریقِ بحث کی طرف رہنمائی فرمائی ہے جسے تبلیغِ حق کی خدمت انجام دینے والوں کو اختیار کرنا چاہیے۔ اس میں یہ سکھایا گیا ہے کہ جس شخص سے تمہیں بحث کرنی ہو اُس کی گمراہی کو بحث کا نقطۂ آغاز نہ بناؤ بلکہ بات اس سے شروع کرو کہ حق و صداقت کے وہ کون سے اجزاء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ لوگ جن کو ہم نے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لاتے ہیں۵۵؎ ، اور اِن لوگوں میں سے بھی بہت سے

ہیں جو تمہارے اور اس کے درمیان مشترک ہیں یعنی آغازِ کلام نکاتِ اختلاف سے نہیں بلکہ نکاتِ اتفاق سے ہونا چاہیے ، پھر انہی متفق علیہ امور سے استدلال کر کے مخاطب کو یہ سمجھانے کی کوشش کرنی چاہیے کہ جن امور میں تمہارے اور اس کے درمیان اختلاف ہے ان میں تمہارا مسلک متفق علیہ بنیادوں سے مطابقت رکھتا ہے اور اس کا مسلک ان سے متضاد ہے ۔ اس سلسلے میں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اہلِ کتاب مشرکینِ عرب کی طرح وحی و رسالت اور توحید کے منکر نہ تھے بلکہ مسلمانوں کی طرح اِن سب حقیقتوں کو مانتے تھے ۔ ان بنیادی امور میں اتفاق کے بعد اگر کوئی بڑی چیز بنیادِ اختلاف ہو سکتی تھی تو وہ یہ کہ مسلمان اُن کے ہاں آئی ہوئی آسمانی کتابوں کو نہ مانتے اور اپنے ہاں آئی ہوئی کتاب پر ایمان لانے کی انہیں دعوت دیتے اور اس کے نہ ماننے پر انہیں کافر قرار دیتے ۔ یہ جھگڑے کی بڑی مضبوط وجہ ہوتی ۔ لیکن مسلمانوں کا موقف اس سے مختلف تھا وہ تمام اُن کتابوں کو برحق تسلیم کرتے تھے جو اہلِ کتاب کے پاس موجود تھیں اور پھر اس وحی پر ایمان لائے تھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی ۔ اس کے بعد یہ بتانا اہلِ کتاب کا کام تھا کہ کس معقول وجہ سے وہ خدا ہی کی نازل کردہ ایک کتاب کو مانتے اور دوسری کتاب کا انکار کرتے ہیں ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں مسلمانوں کو تلقین فرمائی ہے کہ اہلِ کتاب سے جب سابقہ پیش آئے تو سب سے پہلے مثبت طور پر اپنا یہی موقف ان کے سامنے پیش کرو ۔ ان سے کہو کہ جس خدا کو تم مانتے ہو اسی کو ہم مانتے ہیں اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں ۔ اس کی طرف سے جو احکام و ہدایات اور تعلیمات بھی آئی ہیں ان سب کے آگے ہمارا سرِ تسلیم خم ہے ، خواہ وہ تمہارے ہاں آئی ہوں یا ہمارے ہاں ۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں ۔ ملک اور قوم اور نسل کے بندے نہیں ہیں کہ ایک جگہ خدا کا حکم آئے تو ہم مانیں اور اُسی خدا کا حکم دوسری جگہ آئے تو ہم اس کو نہ مانیں ۔

۵۴؎ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ۔ ایک یہ کہ جس طرح پہلے انبیاء پر ہم نے کتابیں نازل کی تھیں اسی طرح اب یہ کتاب تم پر نازل کی ہے ۔ دوسرا یہ کہ ہم نے اسی تعلیم کے ساتھ یہ کتاب نازل کی ہے کہ ہماری پچھلی کتابوں کا انکار کر کے نہیں بلکہ اُن سب کا اقرار کرتے ہوئے اسے مانا جائے ۔

۵۵؎ سیاق و سباق خود بتا رہا ہے کہ اس سے مراد تمام اہلِ کتاب نہیں ہیں بلکہ وہ اہلِ کتاب ہیں جن کو کتبِ الٰہیہ کا صحیح علم و فہم نصیب ہوا تھا ، جو "چار پائے برو کتابے چند" کے مصداق محض کتاب بردار

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس پر ایمان لا رہے ہیں[۸۶]، اور ہماری آیات کا انکار صرف کافر ہی کرتے ہیں[۸۷]۔
(اے نبی) تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست لوگ شک میں پڑ سکتے تھے[۸۸]۔ دراصل یہ روشن نشانیاں ہیں

قسم کے اہلِ کتاب نہیں تھے، بلکہ حقیقی معنی میں اہلِ کتاب تھے۔ ان کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہوئی یہ آخری کتاب آئی تو انہوں نے کسی ضد اور ہٹ دھرمی اور تعصب سے کام نہ لیا اور اسے بھی ویسے ہی اخلاص کے ساتھ تسلیم کر لیا جس طرح پچھلی کتابوں کو تسلیم کرتے تھے۔

۸۶ "ان لوگوں" کا اشارہ اہلِ عرب کی طرف ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق پسند لوگ ہر جگہ اس پر ایمان لا رہے ہیں خواہ وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا غیر اہلِ کتاب میں سے۔

۸۷ یہاں کافر سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے تعصبات کو چھوڑ کر حق بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، یا وہ جو اپنی خواہشاتِ نفس اور اپنی بے لگام آزادیوں پر پابندیاں قبول کرنے سے جی چراتے ہیں اور اس بنا پر حق کا انکار کرتے ہیں۔

۸۸ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں وہی استدلال ہے جو اس سے پہلے سورۂ یونس اور سورۂ قصص میں گزر چکا ہے (ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، تفسیر سورۂ یونس حاشیہ ۲۱ و تفسیر سورۂ قصص حاشیہ ۹۲۔ اس مضمون کی مزید تشریح کے لیے تفہیم القرآن، تفسیر سورۂ نحل حاشیہ ۱۰۷، بنی اسرائیل، حاشیہ ۱۰۵، المومنون حاشیہ ۶۶، اور الفرقان حاشیہ ۱۲ کا مطالعہ بھی مفید ہوگا)۔
اس آیت میں استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اَن پڑھ تھے۔ آپ کے اہلِ وطن اور رشتہ و برادری کے لوگ جن کے درمیان روزِ پیدائش سے سنِ کہولت کو پہنچنے تک آپ کی ساری زندگی بسر ہوئی تھی، اس بات سے خوب واقف تھے کہ آپ نے عمر بھر نہ کبھی کوئی کتاب پڑھی، نہ کبھی قلم ہاتھ میں لیا۔ اس امرِ واقعہ کو پیش کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ کتبِ آسمانی کی تعلیمات، انبیاءِ سابقین کے حالات، مذاہب و ادیان کے عقائد، قدیم قوموں کی تاریخ، اور تمدن و اخلاق و معیشت کے اہم مسائل پر جس وسیع اور گہرے علم کا اظہار اس اُمّی کی زبان سے ہو رہا ہے یہ اس کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُن لوگوں کے دلوں میں جنہیں علم بخشا گیا ہے[۸۹]، اور ہماری آیات کا انکار نہیں کرتے مگر وہ جو ظالم ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ "کیوں نہ اُتاری گئیں اس شخص پر نشانیاں[۹۰] اِس کے رب کی طرف سے؟" کہو "نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور میں صرف خبردار کرنے والا ہوں کھول کھول کر"۔ اور کیا ان لوگوں کے لیے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے[۹۱]

وحی کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر اس کو نوشت و خواند کا علم ہوتا اور لوگوں نے کبھی اسے کتابیں پڑھتے اور مطالعہ و تحقیق کرتے دیکھا ہوتا تو باطل پرستوں کے لیے یہ شک کرنے کی کچھ بنیاد ہو بھی سکتی تھی کہ یہ علم وحی سے نہیں بلکہ اخذ و اکتساب سے حاصل کیا گیا ہے۔ لیکن اِس کی اُمّیت نے تو ایسے کسی شک کے لیے برائے نام بھی کوئی بنیاد باقی نہیں چھوڑی ہے۔ اب خالص ہٹ دھرمی کے سوا اس کی نبوت کا انکار کرنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہے جسے کسی درجہ میں بھی معقول کہا جا سکتا ہو۔

۸۹ یعنی ایک اُمّی کا قرآن جیسی کتاب پیش کرنا اور یکایک اُن غیر معمولی کمالات کا مظاہرہ کرنا جن کے لیے کسی سابقہ تیاری کے آثار کبھی کسی کے مشاہدے میں نہیں آئے، یہی دانش و بینش رکھنے والوں کی نگاہ میں اس کی پیغمبری پر دلالت کرنے والی روشن ترین نشانیاں ہیں۔ دنیا کی تاریخی ہستیوں میں سے جس کے حالات کا بھی جائزہ لیا جائے، آدمی اس کے اپنے ماحول میں اُن اسباب کا پتہ چلا سکتا ہے جو اس کی شخصیت بنانے اور اس سے ظاہر ہونے والے کمالات کے لیے اس کو تیار کرنے میں کارفرما تھے۔ اُس کے ماحول اور اس کی شخصیت کے اجزائے ترکیبی میں ایک کھلی مناسبت پائی جاتی ہے۔ لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت جن حیرت انگیز کمالات کی مظہر تھی اُن کا کوئی ماخذ آپ کے ماحول میں تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں نہ اس وقت کے عربی معاشرے میں اور نہ گرد و پیش کے ان ممالک سے عرب کے تعلقات تھے اُن کے معاشرے میں کہیں دور دراز سے بھی وہ عناصر ڈھونڈ کر نہیں نکالے جا سکتے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے اجزائے ترکیبی سے کوئی مناسبت رکھتے ہوں۔ یہی حقیقت ہے جس کی بنا پر یہاں فرمایا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک نشانی نہیں بلکہ بہت سی روشن نشانیوں کا مجموعہ ہے۔ جاہل آدمی کو اس میں کوئی نشانی نظر آتی ہو تو نہ آئے، مگر جو لوگ علم رکھنے والے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں وہ ان نشانیوں کو دیکھ کر اپنے دلوں میں قائل ہو گئے ہیں کہ یہ شان ایک پیغمبر ہی کی ہو سکتی ہے۔

۵۹ یعنی معجزات جنہیں دیکھ کر یقین آ سکے کہ واقعی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے نبی ہیں۔

۶۰ یعنی اُمّی ہونے کے باوجود تم پر قرآن جیسی کتاب کا نازل ہونا۔ کیا یہ بجائے خود اتنا بڑا معجزہ نہیں ہے کہ تمہاری رسالت پر یقین لانے کے لیے وہ کافی ہو؟ کیا اس کے بعد بھی کسی اور معجزے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ دوسرے معجزے تو جنہوں نے دیکھے ان کے لیے وہ معجزے تھے، مگر یہ معجزہ تو ہر وقت تمہارے سامنے ہے۔

قرآن مجید کے اس بیان و استدلال کے بعد اُن لوگوں کی جسارت حیرت انگیز ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خواندہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ یہاں قرآن صاف الفاظ میں حضورؐ کے ناخواندہ ہونے کو آپ کی نبوت کے حق میں ایک طاقت ور ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ جن روایات کا سہارا لیکر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ حضور لکھے پڑھے تھے، یا بعد میں آپ نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا وہ اول تو پہلی ہی نظر میں رد کر دینے کے لائق ہیں کیونکہ قرآن کے خلاف کوئی روایت بھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی۔ پھر وہ بجائے خود بھی اتنی کمزور ہیں کہ ان پر کسی استدلال کی بنیاد قائم نہیں ہو سکتی۔ ان میں سے ایک، بخاری کی یہ روایت ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ جب لکھا جا رہا تھا تو کفارِ مکہ کے نمائندے نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ رسول اللہ لکھے جانے پر اعتراض کیا۔ اس پر حضورؐ نے کاتب (یعنی حضرت علیؓ) کو حکم دیا کہ اچھا رسول اللہ کا لفظ کاٹ کر محمد بن عبداللہ لکھ دو۔ حضرت علی نے لفظ رسول اللہ کاٹنے سے انکار کر دیا اس پر حضورؐ نے ان کے ہاتھ سے لیکر وہ الفاظ خود کاٹ دیئے اور محمد بن عبداللہ لکھ دیا۔ لیکن یہ روایت براء بن عازب سے بخاری میں چار جگہ اور مسلم میں دو جگہ وارد ہوئی ہے اور ہر جگہ الفاظ مختلف ہیں۔ بخاری کتاب الصلح میں ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: قال لعلی امحه فقال علی ما انا بالذی امحاہ فمحاہ رسول اللہ بیدہ (حضورؐ نے حضرت علی سے فرمایا یہ الفاظ کاٹ دو، انہوں نے عرض کیا میں تو نہیں کاٹ سکتا آخر کار حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے انہیں کاٹ دیا)۔ اسی کتاب میں دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں: ثم قال لعلی امح رسول اللہ فقال لا واللہ لا امحوک ابداً۔ فاخذ رسول اللہ الکتاب فکتب هذا ما قاضیٰ علیه محمد بن عبد اللہ۔ (پھر علی سے کہا رسول اللہ کاٹ دو۔ انہوں نے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے کہا خدا کی قسم میں آپ کا نام کبھی نہ کاٹوں گا۔ آخر حضورؐ نے تحریر لیکر لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ نے طے کیا)۔ تیسری روایت انہی براء بن عازب سے بخاری کتاب الجزیہ میں یہ ہے: وکان لا یکتب فقال لعلی امح رسول اللہ فقال علی واللہ لا امحاہ ابداً قال فارنیہ قال فاراہ ایاہ فمحاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بیدہ (حضورؐ خود نہ لکھ سکتے تھے۔ آپ نے حضرت علی سے کہا رسول اللہ کاٹ دو۔ انہوں نے عرض کیا خدا کی قسم میں یہ الفاظ ہرگز نہ کاٹونگا۔ اس پر حضورؐ نے فرمایا مجھے وہ جگہ بتاؤ جہاں یہ الفاظ لکھے ہیں۔ انہوں نے آپ کو جگہ بتائی اور آپ نے اپنے ہاتھ سے وہ الفاظ کاٹ دیئے)۔ چوتھی روایت بخاری کتاب المغازی میں یہ ہے فاخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الکتاب ولیس یحسن یکتب فکتب ھذا ما قاضیٰ محمد بن عبد اللہ (پس حضورؐ نے وہ تحریر لے لی درآنحالیکہ آپ لکھنا نہ جانتے تھے اور آپ نے لکھا یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد بن عبداللہ نے طے کیا)۔ انہی براء بن عازب سے دو روایتیں مسلم کتاب الجہاد میں منقول ہیں جن میں سے ایک میں یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے انکار کرنے پر حضورؐ نے اپنے ہاتھ سے "رسول اللہ" کے الفاظ مٹا دیئے اور دوسری میں یہ کہ حضورؐ نے حضرت علی سے فرمایا مجھے بتاؤ رسول اللہ کا لفظ کہاں لکھا ہے، حضرت علیؓ نے آپ کو جگہ بتائی، اور آپ نے اسے مٹا کر ابن عبداللہ لکھ دیا۔ روایات کا یہ اضطراب صاف بتا رہا ہے کہ بیچ کے راویوں نے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے الفاظ جوں کے توں نقل نہیں کیے ہیں، اس لیے ان میں سے کسی ایک کی نقل پر بھی ایسا مکمل اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ یقینی طور پر یہ کہا جا سکے کہ حضورؐ نے "محمد بن عبداللہ" کے الفاظ اپنے دست مبارک ہی سے لکھے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ صحیح صورت واقعہ یہ ہو کہ جب حضرت علیؓ نے "رسول اللہ" کا لفظ مٹانے سے انکار کر دیا تو آپؐ نے اس کی جگہ ان سے پوچھ کر یہ لفظ اپنے ہاتھ سے مٹا دیا ہو اور پھر ان سے یا کسی دوسرے کاتب سے ابن عبداللہ کے الفاظ لکھوا دیے ہوں۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر صلح نامہ دو کاتب لکھ رہے تھے۔ ایک حضرت علی، دوسرے محمد بن مسلمہ (فتح الباری، جلد ۵، ص ۲۱۷)۔ اس لیے یہ امر بعید نہیں ہے کہ جو کام ایک کاتب نے نہ کیا تھا وہ دوسرے کاتب سے لے لیا گیا ہو۔

دوسری روایت ابن ابی شیبہ اور عمر بن شبہ نے مجاہد کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ ما مات رسول اللہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ع درحقیقت اس میں رحمت ہے اور نصیحت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں۔[۹۲] (اے نبیؐ) کہو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہی کے لیے کافی ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین میں سب کچھ جانتا ہے۔ جو لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ سے کفر کرتے ہیں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔

یہ لوگ عذاب کے لیے جلدی مچا رہے ہیں۔[۹۳] اگر ایک وقت مقرر نہ کر دیا گیا ہوتا تو ان پر عذاب آ چکا ہوتا۔ اور یقیناً (اپنے وقت پر) وہ آ کر رہے گا اچانک، اس حال میں کہ انہیں خبر بھی نہ ہو گی۔ یہ عذاب کے لیے جلدی مچاتے ہیں، حالانکہ جہنم کافروں کو گھیرے میں لے چکی ہے (اور انہیں پتہ چلے گا) اُس روز جبکہ عذاب انہیں اوپر سے بھی ڈھانک لیگا اور پاؤں کے نیچے سے بھی اور کہیگا کہ اب چکھو مزا اپنے کرتوتوں کا جو تم کرتے تھے۔

صلی اللہ علیہ وسلم حتی کتب وقرأ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے لکھنا پڑھنا سیکھ چکے تھے)۔ لیکن اوّل تو یہ سنداً بہت ضعیف روایت ہے جیسا کہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں فضعیف لا اصل لہ۔ دوسرے اس کی کمزوری یوں بھی واضح ہے کہ اگر حضورؐ نے فی الواقع بعد میں لکھنا پڑھنا سیکھا ہوتا تو یہ بات مشہور ہو جاتی، بہت سے صحابہ اس کو روایت کرتے اور یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ حضورؐ نے کس شخص یا کن اشخاص سے یہ تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن سوائے ایک عون بن عبداللہ کے، جن سے مجاہد نے یہ بات سنی، اور کوئی شخص اسے روایت نہیں کرتا۔ اور یہ عون بھی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں جنہوں نے قطعاً یہ نہیں بتایا کہ انہیں کس صحابی یا کن صحابیوں سے اس واقعہ کا علم حاصل ہوا۔ ظاہر ہے کہ ایسی کمزور روایتوں کی بنیاد پر کوئی ایسی بات قابلِ تسلیم نہیں ہو سکتی جو مشہور و معروف واقعات کی تردید کرتی ہو۔

۹۲ ؎ یعنی جو لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت مان لیں اور قرآن کی ہدایت قبول کر لیں وہ خود اللہ کی رحمت اور اس کی نصیحت سے مستفید ہونگے۔ اور جو اسے نہ مانیں وہ خود ہی نقصان اٹھائیں گے۔

۹۳ ؎ یعنی بار بار چیلنج کے انداز میں مطالبہ کر رہے ہیں کہ اگر تم رسول ہو اور ہم واقعی حق کو جھٹلا رہے ہیں تو ہم پر وہ عذاب کیوں نہیں لے آتے جس کے ڈراوے تم ہمیں دیا کرتے ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

[۹۴] اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو، میری زمین وسیع ہے، پس تم میری ہی بندگی بجالاؤ۔ ہر متنفس کو موت کا مزا چکھنا ہے، پھر تم سب ہماری طرف ہی پلٹا کر لائے جاؤ گے[۹۵]۔ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہیں ان کو ہم جنت کی بلند و بالا عمارتوں میں رکھیں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی، وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی عمدہ اجر ہے عمل کرنے والوں کے لیے[۹۶]ـــ اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے صبر کیا ہے[۹۷] اور جو اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں[۹۸]۔ کتنے

۹۴؎ یہ اشارہ ہے ہجرت کی طرف۔ مطلب یہ ہے کہ اگر مکے میں خدا کی بندگی کرنی مشکل ہو رہی ہے تو ملک چھوڑ کر نکل جاؤ، خدا کی زمین تنگ نہیں ہے۔ جہاں بھی تم خدا کے بندے بن کر رہ سکتے ہو وہاں چلے جاؤ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز قوم، وطن اور ملک نہیں ہے بلکہ اللہ کی بندگی ہے۔ اگر کسی وقت قوم و وطن اور ملک کی محبت کے تقاضے اللہ کی بندگی کے تقاضوں سے ٹکرا جائیں تو وہی وقت مومن کے ایمان کی آزمائش کا ہوتا ہے۔ جو سچا مومن ہے وہ اللہ کی بندگی کرے گا اور قوم، وطن اور ملک کو لات مار دیگا۔ جو جھوٹا مدعی ایمان ہے وہ ایمان کو چھوڑ دیگا اور اپنی قوم اور اپنے ملک و وطن سے چمٹا رہے گا۔ یہ آیت اس باب میں بالکل صریح ہے کہ ایک سچا خدا پرست انسان محب قوم و وطن تو ہو سکتا ہے مگر قوم پرست اور وطن پرست نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے خدا کی بندگی ہر چیز سے عزیز تر ہے جس پر دنیا کی ہر چیز کو وہ قربان کر دیگا مگر اسے دنیا کی کسی چیز پر بھی قربان نہ کرے گا۔

۹۵؎ یعنی جان کی فکر نہ کرو۔ یہ تو کبھی نہ کبھی جانی ہی ہے۔ ہمیشہ رہنے کے لیے تو کوئی بھی دنیا میں نہیں آیا ہے۔ لہٰذا تمہارے لیے فکر کے لائق مسئلہ یہ نہیں ہے کہ اس دنیا میں جان کیسے بچائی جائے، بلکہ اصل لائق فکر مسئلہ یہ ہے کہ ایمان کیسے بچایا جائے اور خدا پرستی کے تقاضے کس طرح پورے کیے جائیں۔ آخر کار تمہیں پلٹ کر ہماری طرف ہی آنا ہے۔ اگر دنیا میں جان بچانے کے لیے ایمان کھو کر آئے تو اس کا نتیجہ کچھ اور ہو گا، اور ایمان بچانے کے لیے جان کھو آئے تو اس کا انجام کچھ دوسرا ہو گا۔ پس فکر جو کچھ بھی کرنی ہے اس بات کی کرو کہ ہماری طرف جب پلٹو گے تو کیا لے کر پلٹو گے، جان پر قربان کیا ہوا ایمان، یا ایمان پر قربان کی ہوئی جان؟

۹۶؎ یعنی اگر ایمان اور نیکی کے راستے پر چل کر بالفرض تم دنیا کی ساری نعمتوں سے محروم بھی رہ گئے اور بری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہی جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے، اللہ ان کو رزق دیتا ہے اور تمہارا رازق بھی وہی ہے، وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔[۹۹]

نقطۂ نظر سے سراسر ناکام بھی مرے تو یقین رکھو کہ اس کی تلافی بہرحال ہوگی اور نری تلافی ہی نہ ہوگی بلکہ بہترین اجر نصیب ہوگا۔

۹۷ یعنی جو ہر طرح کی مشکلات اور مصائب اور نقصانات اور اذیتوں کے مقابلے میں ایمان پر قائم رہے ہیں جنہوں نے ایمان لانے کے خطرات کو اپنی جان پر جھیلا ہے اور منہ نہیں موڑا ہے۔ ترکِ ایمان کے فائدوں اور منفعتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور ان کی طرف ذرہ برابر التفات تک نہیں کیا ہے۔ کفار و فساق کو اپنے سامنے پھلتے پھولتے دیکھا ہے اور ان کی دولت و حشمت پر ایک نگاہ غلط انداز بھی نہیں ڈالی ہے۔

۹۸ یعنی جنہوں نے اپنے رب پر یہ اعتماد کیا ہے کہ ایمان اور نیکی پر قائم رہنے کا اجر اس کے ہاں کبھی ضائع نہ ہوگا، وہ اپنے مومن و صالح بندوں کی اس دنیا میں بھی دستگیری فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کے عمل کا بہترین بدلہ دیگا۔

۹۹ یعنی ہجرت کرنے میں تمہیں فکرِ جان کی طرح فکرِ روزگار سے بھی پریشان نہ ہونا چاہیے۔ آخر یہ بےشمار چرند و پرند اور آبی حیوانات جو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا اور خشکی اور پانی میں پھر رہے ہیں، ان میں سے کون اپنا رزق اٹھائے پھرتا ہے؟ اللہ ہی تو ان سب کو پال رہا ہے۔ جہاں جاتے ہیں اللہ کے فضل سے ان کو کسی نہ کسی طرح رزق مل ہی جاتا ہے۔ لہٰذا تم بھی یہ سوچ سوچ کر ہمت نہ ہارو کہ اگر ایمان کی خاطر گھر بار چھوڑ کر نکل گئے تو کھائیں گے کہاں سے۔ اللہ جہاں سے اپنی بےشمار مخلوق کو رزق دے رہا ہے، تمہیں بھی دیگا۔

ٹھیک یہی بات ہے جو سیدنا مسیح علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمائی تھی۔ انہوں نے فرمایا:

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یا تو ایک سے عداوت رکھیگا اور دوسرے سے محبت، یا ایک سے ملا رہے گا اور دوسرے کو ناچیز جانے گا۔ تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔ اس لیے میں کہتا ہوں کہ اپنی جان کی فکر نہ کرنا کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے، اور نہ اپنے بدن کی کہ کیا پہنیں گے۔ کیا جان خوراک سے اور بدن پوشاک سے بڑھ کر نہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلسل
اگر تم ان لوگوں سے پوچھو کہ زمین اور آسمانوں کو کس نے پیدا کیا ہے اور چاند اور سورج کو

ہوا کے پرندوں کو دیکھو کہ نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں۔ نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں۔ پھر بھی تمہارا آسمانی باپ ان کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں سے ایسا کون ہے جو فکر کرکے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو غور سے دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے ہیں نہ کاتتے ہیں، پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمان بھی باوجود اپنی ساری شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند ملبّس نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جاتے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو تم کو کیوں نہ پہنائے گا۔ اس لیے فکر مند نہ ہو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے یا کیا پہنیں گے۔ ان سب چیزوں کی تلاش میں تو غیر قومیں رہتی ہیں۔ تمہارا آسمانی باپ جانتا ہے کہ تم ان سب چیزوں کے محتاج ہو۔ تم پہلے اس کی بادشاہی اور اس کی راستبازی کی تلاش کرو۔ یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی۔ کل کے لیے فکر نہ کرو۔ کل کا دن اپنی فکر آپ کر لیگا۔ آج کے لیے آج ہی کا دکھ کافی ہے۔" (متی۔ باب ۶۔ آیات ۲۴-۳۴)

قرآن اور انجیل کے ان ارشادات کا پس منظر ایک ہی ہے۔ دعوتِ حق کی راہ میں ایک مرحلہ ایسا آجاتا ہے جس میں ایک حق پرست آدمی کے لیے اس کے سوا چارہ نہیں رہتا کہ عالمِ اسباب کے تمام سہاروں سے قطع نظر کرکے محض اللہ کے بھروسے پر جان جوکھوں کی بازی لگا دے۔ ان حالات میں وہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے جو حساب لگا لگا کر مستقبل کے امکانات کا جائزہ لیتے ہیں اور قدم اٹھانے سے پہلے جان کے تحفظ اور رزق کے حصول کی ضمانتیں تلاش کرتے ہیں۔ درحقیقت اس طرح کے حالات بدلتے ہی ان لوگوں کی طاقت سے ہیں جو سر ہتھیلی پر لیکر اٹھ کھڑے ہوں اور ہر خطرے کو انگیز کرنے کے لیے بے دھڑک تیار ہو جائیں۔ انہی کی قربانیاں آخرکار وہ وقت لاتی ہیں جب اللہ کا کلمہ بلند ہوتا ہے اور اس کے مقابلے میں سارے کلمے پست ہو کر رہ جاتے ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس نے مسخر کر رکھا ہے تو ضرور کہیں گے کہ اللہ نے، پھر یہ کدھر سے دھوکا کھا رہے ہیں۔ اللہ ہی ہے جو اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے، یقیناً اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کس نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ سے مردہ پڑی ہوئی زمین کو جلا اٹھایا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔ کہو، الحمد للہ[۱۰۱] مگر اکثر لوگ سمجھتے نہیں ہیں ع

اور یہ دنیا کی زندگی کچھ نہیں ہے مگر ایک کھیل اور دل کا بہلاوا[۱۰۲]۔ اصل زندگی کا گھر تو دارِ آخرت

۱۰۰ یہاں سے پھر کلام کا رُخ کفارِ مکہ کی طرف مُڑتا ہے

۱۰۱ اس مقام پر الحمد للہ کا لفظ دو معنی دے رہا ہے۔ ایک یہ کہ جب یہ سارے کام اللہ کے ہیں تو پھر حمد کا مستحق بھی صرف وہی ہے، دوسروں کو حمد کا استحقاق کہاں سے پہنچ گیا۔ دوسرے یہ کہ خدا کا شکر ہے، اس بات کا اعتراف تم خود بھی کرتے ہو۔

۱۰۲ یعنی اس کی حقیقت بس اتنی ہی سی ہے جیسے بچے تھوڑی دیر کے لیے کھیل کود لیں اور پھر اپنے اپنے گھر کو سدھاریں۔ یہاں جو بادشاہ بن گیا ہے وہ حقیقت میں بادشاہ نہیں بن گیا ہے بلکہ صرف بادشاہی کا ڈراما کر رہا ہے۔ ایک وقت آتا ہے جب اس کا یہ کھیل ختم ہو جاتا ہے اور اسی بے سروسامانی کے ساتھ وہ تختِ شاہی سے رخصت ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ اس دنیا میں آیا تھا۔ اسی طرح زندگی کی کوئی شکل بھی یہاں مستقل اور پائیدار نہیں ہے۔ جو جس حال میں بھی ہے عارضی طور پر ایک محدود مدت کے لیے ہے۔ اِس چند روزہ زندگی کی کامرانیوں پر جو لوگ مرے مٹتے ہیں اور انہی کے لیے ضمیر و ایمان کی بازی لگا کر کچھ عیش و عشرت کا سامان اور کچھ شوکت و حشمت کے ٹھاٹھ فراہم کر لیتے ہیں ان کی یہ ساری حرکتیں دل کے بہلاوے سے زیادہ کچھ نہیں ہیں۔ اِن کھلونوں سے اگر وہ دس بیس یا ساٹھ ستر سال دل بہلا لیں اور پھر موت کے دروازے سے خالی ہاتھ گزر کر اُس عالم میں پہنچیں جہاں کی دائمی و ابدی زندگی میں ان کا یہی کھیل بلائے بے درماں ثابت ہو تو آخر اس طفل تسلی کا فائدہ کیا ہے؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے، کاش یہ لوگ جانتے[۱۰۳]۔ جب یہ لوگ کشتی پر سوار ہوتے ہیں تو اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس سے دعا مانگتے ہیں، پھر جب وہ انہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو یکایک یہ شرک کرنے لگتے ہیں تاکہ اللہ کی دی ہوئی نجات پر اس کا کفرانِ نعمت کریں اور (حیاتِ دنیا کے) مزے لوٹیں[۱۰۴]۔ اچھا، عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔ کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں کہ ہم نے ایک پُرامن حرم بنا دیا ہے حالانکہ اِن کے گرد و پیش لوگ اُچک لیے جاتے ہیں[۱۰۵]؟ کیا پھر بھی یہ لوگ باطل کو مانتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا کفران کرتے ہیں؟ اُس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا حق کو جھٹلائے جب کہ وہ اس کے سامنے آ چکا ہو[۱۰۶]۔ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانا جہنم ہی نہیں ہے؟ جو لوگ ہماری خاطر مجاہدہ کریں گے انہیں ہم

---

[۱۰۳] یعنی اگر یہ لوگ اس حقیقت کو جانتے کہ دنیا کی موجودہ زندگی صرف ایک مہلتِ امتحان ہے، اور انسان کے لیے اصل زندگی، جو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والی ہے، آخرت کی زندگی ہے، تو وہ یہاں امتحان کی مدت کو اس لہو و لعب میں ضائع کرنے کے بجائے اس کا ایک ایک لمحہ اُن کاموں میں استعمال کرتے جو اُس ابدی زندگی میں بہتر نتائج پیدا کرنے والے ہوں۔

[۱۰۴] تشریح کے لیے ملاحظہ ہو تفہیم القرآن، سورۂ انعام حاشیہ ۲۹ و ۴۱، سورۂ یونس حاشیہ ۲۹ و ۳۱، سورۂ بنی اسرائیل حاشیہ ۸۴۔

[۱۰۵] یعنی کیا ان کے شہر مکّہ کو، جس کے دامن میں انہیں کمال درجے کا امن میسر ہے، کسی لات یا ہُبَل نے حرم بنایا ہے؟ کیا کسی دیوی یا دیوتا کی یہ قدرت تھی کہ ڈھائی ہزار سال سے عرب کی انتہائی بد امنی کے ماحول میں اس جگہ کو تمام فتنوں اور فسادوں سے محفوظ رکھتا؟ اس کی حرمت کو برقرار رکھنے والے ہم نہ تھے تو اور کون تھا؟

[۱۰۶] یعنی میں نے دعوائے رسالت کیا ہے اور تم نے اسے جھٹلایا ہے۔ اب معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ اگر میں نے اللہ کا نام لیکر جھوٹا دعویٰ کیا ہے تو مجھ سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ اور اگر تم نے سچے نبی کی تکذیب کی ہے تو پھر تم سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے راستے دکھائیں گے،[۱۰۶] اور یقیناً اللہ نیکو کاروں ہی کے ساتھ ہے ؏ ع

[۱۰۶] "مجاہدہ" کی تشریح اسی سورۂ عنکبوت کے حاشیہ ۸ میں گزر چکی ہے۔ وہاں یہ فرمایا گیا تھا کہ جو شخص مجاہدہ کرے گا وہ اپنی ہی بھلائی کے لیے کرے گا (آیت ۶)۔ یہاں یہ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں اخلاص کے ساتھ دنیا بھر سے کشمکش کا خطرہ مول لے لیتے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ ان کے حال پر نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ وہ ان کی دستگیری و رہنمائی فرماتا ہے اور اپنی طرف آنے کی راہیں ان کے لیے کھول دیتا ہے۔ وہ قدم قدم پر انہیں بتاتا ہے کہ ہماری خوشنودی تم کس طرح حاصل کر سکتے ہو۔ ہر ہر موڑ پر انہیں روشنی دکھاتا ہے کہ راہِ راست کدھر ہے اور غلط راستے کون سے ہیں۔ جتنی نیک نیتی اور خیر طلبی ان میں ہوتی ہے اتنی ہی اللہ کی مدد اور توفیق اور ہدایت بھی ان کے ساتھ رہتی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منصبِ نبوّت

صحیح اور غلط تصوّر کا فرق

[ماہ جولائی ۱۹۶۰ء کی اشاعت میں سنت کی آئینی حیثیت کے متعلق ڈاکٹر عبدالودود صاحب اور مدیر ترجمان القرآن کی جو مراسلت شائع ہوئی تھی، اس کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کا ایک اور خط وصول ہوا ہے، جسے ذیل میں مدیر ترجمان القرآن کے جواب کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔ اس بحث سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے مناسب ہوگا کہ قارئین کرام ابتدائی مراسلت کو بھی نگاہ میں رکھیں۔]

ڈاکٹر صاحب کا خط

مولانائے محترم! السلام علیکم

آپ کا خط مورخہ ۸۔ اگست ملا۔ مجھے امید ہے کہ اس کے بعد بات ذرا اطمینان سے ہو سکے گی آپ نے اپنے خط مورخہ ۲۶ جون میں میرے پہلے سوال کے جواب کے اختتام پر فرمایا تھا۔

دوسرے سوالات چھیڑنے سے پہلے آپ کو یہ بات صاف کرنی چاہیئے تھی کہ آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پڑھ کر سنا دینے کے سوا دنیا میں اور کام کیا تھا یا نہیں اور اگر کیا تھا تو کس حیثیت میں؟

نیز یہ بھی کہ:

پہلے آپ یہ بات صاف کریں کہ آیا سنت رسول اللہ بجائے خود کوئی چیز ہے یا نہیں؟ اور اس کو آپ قرآن کے ساتھ ماخذِ قانون مانتے ہیں یا نہیں؟ اور نہیں مانتے تو اس کی دلیل کیا ہے؟

چنانچہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے موجودہ خط میں مسئلہ زیر بحث کے صرف اسی حصّہ پر گفتگو کروں

© rasailojaraid.com